Dareecha-e-Tahqeeq
دریچۂ تحقیق
ISSN PRINT 2958-0005 ISSN Online 2790-9972
VOL 5, Issue 2
www.dareechaetahqeeq.com dareecha.tahqeeq@gmail.com

عصمت اللہ
اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج، جھنگ

راجہ گدھ کے تضادات

Ismat ullah
Assistant professor govt graduate college jhang

Contradictions Of Raja Giddh

Bano Qudsia, a well-known novelist of Urdu fiction has written four novels. Raja giddh gained great popularity. The novel is based on many themes. She has deep insight of human psychology. By exposing the contradiction of human characters, She has displayed the duality of human nature. In this great pieces of writing, Bano has described the four stages of life in which ups and down are reflected vividly. This classical novel also shows the religious concept of Hallal and Haraam. She Preaches faith and transparency in life. This Classical novel also has the Shadow of failed love. Thus Novel is a great combination of Psychology, Philosophy, religion and Sociology. It is a reforming and moral story to point out the negativity of man and society

Keywords: Raja giddh, Bano Qudsia, Sociology, negativity, psychology

.

اُردو فکشن کاایک بڑانام بانو قدسیہ ہیں۔ بانو قدسیہ نے افسانے، ناول، ڈرامے اور خاکے لکھ کر ذخیرۂ ادب میں گراں قدر اضافہ کیا۔ بڑے پیمانے پر بانو قدسیہ کی وجہ شہرت اُن کا ناول راجہ گدھ بنا۔ یوں تو مصنفہ نے چار ناول تخلیق کیے لیکن راجہ گدھ کا موضوع منفرد ہونے کی وجہ سے اُن کو ہر خاص وعام میں مقبول بنا گیا۔ راجہ گدھ کی موضوعاتی تقسیم نفسیاتی ناول کی گئی اور اس کا موضوع حلال و حرام ٹھہرایا گیا۔ مصنفہ نے اس میں ایک فلسفہ متعارف کرایا ہے اور وہ فلسفہ ہے کہ حرام رزق کھانے سے انسان دیوانگی اور موت کے دہانے تک پہنچتا ہے۔ حرام سے مراد وہ تمام کام، رشوت، دھوکہ دہی، جعلسازی، دھاندلی، حق تلفی، خود غرضی اور ناانصافی وغیرہ ہیں۔ ناول کا ایک کردار اس فلسفے کی یوں وضاحت کرتا ہے:

"میری تھیوری ہے کہ جس وقت حرام رزق جسم میں داخل ہوتا ہے وہ انسانی Genes کو متاثر کرتا ہے۔ رزق حرام سے ایک خاص قسم کی Mutation ہوتی ہے جو خطرناک ادویات شراب اور Radiation سے بھی زیادہ مہلک ہے۔ رزقِ حرام سے جو Genes تغیر پذیر ہوتے ہیں وہ لولے، لنگڑے اور اندھے ہی نہیں بلکہ ناامید بھی ہوتے ہیں۔" (۱)

حلال و حرام کے اس فلسفے کے ساتھ ناول کے کئی اور موضوعات بھی جڑے ہیں۔ اس میں ایک بڑا موضوع ناول کے تضادات بنتا ہے۔ ناول کی بُنت جس معاشرے میں کی گئی ہے۔ وہ مجموعہ اضداد ہے۔ یہ پاکستانی معاشرے دکھایا گیا ہے جس پر مغرب کے گہرے نقوش ثبت ہیں۔ ناول کا ماحول ایک نئے ملک کے بننے کے فوراً بعد دکھایا گیا ہے۔ جہاں بسنے والے اس کے مقصد سے ناواقف ہیں۔

پاکستان ایک نظریے کے تحت حاصل کیا گیا لیکن قیامِ پاکستان کے بعد لوگ اس نظریے کو فراموش کر بیٹھے۔ بظاہر تو غیر ملکیوں سے آزادی ملی مگر ان کی اندھی تقلید ابھی بھی جاری تھی۔ نئے ملک میں جہاں آبادکاری کے مسائل تھے وہاں لوگوں کو اسلامی تہذیب اپنانے کا مسئلہ بھی درپیش تھا جس سے ایک متضاد صورتِ حال سامنے آئی اور قول و فعل، خیر و شر، قدیم و جدید، مشرق و مغرب، مذہب و لبرل ازم اور حرام و حلال جیسے تضادات سامنے آئے۔ اس کے نتیجے میں معاشرے میں دُہری شخصیات نے جنم لیا جو اسلام کے نام لیوا اور

مغرب پرستی کے خواہش مند، نیکی کے خواہاں اور بدی کا پیکر، روایات کے پیروکار اور جدیدیت کے دلدادہ، مشرق کے رہائشی اور مغرب کے محب الوطن، حلال کے پر سونے میں حرام کام کرنے والے انسان تھے۔ بانو قدسیہ نے قیام پاکستان کے فوراً بعد کے اس ماحول کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

''دراصل پاکستان کی سب سے بڑی ٹریجڈی وہ Generation ہے جنھوں نے پاکستان بنایا ایک آئیڈیل کی خاطر اور اب وہ خود نظریہ پاکستان تلاش کر رہے ہیں۔ بے چارے تاکہ ہم کو سمجھا سکیں کہ پاکستان کیوں بنا ہے۔ بے چارے لوگ! ہمارے پاس تو پاکستان ہے، ہم نظریہ پاکستان کو کیا کریں گے۔'' (۲)

اس انتشار اور کشمکش کے معاشرے میں جو افراتفری کا ماحول تھا اس میں آفتاب، امتل، سیمی، قیوم، پروفیسر سہیل اور عابدہ جیسے کردار پیدا ہوئے۔ راجہ گدھ کے مذکورہ کردار تضاد کی عمدہ مثال ہیں۔ ان کے اندر احساس کمتری کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ یہ اپنے خیالات کو عملی جامہ پہنانے سے قاصر ہیں۔ اس لیے سوچتے کچھ ہیں اور کرتے اس کے برعکس ہیں۔ راجہ گدھ کا مرکزی کردار سیمی اور آفتاب ہیں۔ سیمی احساسِ محرومی کا شکار ہے وہ ایک بیوروکریٹ کی بیٹی ہے جس کی مصروفیت کا عالم یہ ہے کہ اس کے پاس اپنی اکلوتی اولاد کے لیے وقت نہیں۔ سیمی کے والدین دوہری شخصیت کے مالک ہیں۔ بظاہر وہ کامیاب زندگی گزار رہے ہیں۔ ان کے پاس تمام سہولیاتِ زندگی موجود ہیں۔ دولت کی ریل پیل ہے غرض کہ معیاری زندگی گزار رہے ہیں نتیجتاً سیمی، آفتاب کی طرف مائل ہوتی ہے۔ والدین کی محبت دوستوں میں تلاش کرتی ہے اور خودکشی کے انجام تک پہنچتی ہے۔ دراصل یہ وہ گھرانہ ہے جو مشرق میں رہتے ہوئے مغربی طرزِ زندگی اپناتا ہے۔ بچوں کو اسلامی طرزِ زندگی سکھانے کی بجائے لبرل ازم کا درس دیتا ہے۔ جس سے اولاد بے راہ روی کا شکار ہوتی ہے اور حرام کاموں تک جا پہنچتی ہے اور دیوانگی اور موت مقدر بنتی ہے۔

آفتاب بھی دوہری شخصیت کا مالک ہے۔ محبت سیمی سے کرتا ہے اور شادی زیبا سے کرتا ہے۔ زیبا سے اس کی اپاہج اولاد جنم لیتی ہے۔ اس طرح وہ بظاہر تو بیرونِ ملک کامیاب زندگی گزار رہا ہے لیکن اندر سے کھوکھلا اور احساسِ محرومی کا شکار ہے۔ یہ وہ کردار ہیں جو خیر کا جذبہ رکھتے ہیں لیکن بدی کے عادی ہیں۔ ناول میں ان شخصیات کے تضادات یوں سیمی کے زبانی بیان ہوئے ہیں:

''لیکن میری وجہ سے ان دونوں کو آپس میں بڑے سمجھوتے کرنے پڑتے ہیں۔ ڈبل بیڈ پر سونا پڑتا ہے۔ اکٹھے تقریبات میں جانا پڑتا ہے جب بھی میں گھر رہوں ان دونوں کو میری خاطر محبت کا انتظام کرنا پڑتا ہے۔ آفتاب کو بھی بڑے سمجھوتے کرنے پڑے تھے۔ میری وجہ سے کالج میں اسے مجھ سے محبت کرنی پڑی تھی، گھر جا کر اپنی کشمیرن بے بے کے ساتھ شادی کے امور میں دلچسپی لینی ہوتی تھی پھر شام کو اپنی کزن کے گھر بھی جانا ایک معمول تھا۔'' (۳)

راجہ گدھ کا کردار سیمی خود دُہری شخصیت کی مالک ہے۔ وہ پیار آفتاب سے کرتی ہے اور خود کو اس کی امانت سمجھتی ہے مگر قیوم سے جسمانی تعلقات رکھتی ہے۔ اس تضاد کا شکار قیوم بھی ہے۔ حرام کاموں میں ملوث ہے لیکن اپنے لیے پاکیزہ لڑکی کا متلاشی، ہر رشتے سے یہ کہہ کر انکار کر دیتا ہے کہ اسے شریف، سادہ اور پاکیزہ لڑکی چاہیے۔ بالآخر اس کی شادی ایک شرف گھرانے میں کی جاتی ہے لیکن شادی کی پہلی رات ہی روشن اُبھرے ہوئے پیٹ سے کپڑا ہٹا کر کہہ دیتی ہے کہ میں کسی اور کی امانت ہوں جس کا یہ بچہ ہے۔ آپ سے میری شادی زبردستی کر دی گئی۔ قیوم نیکی اور بدی، گناہ اور معصومت کا مرقع ہے۔ گاؤں کا رہائشی ہونے کے ناطے ہمدردی، خلوص اور ایثار کا جذبہ رکھتا ہے اور شہر میں بسنے کے بعد چالاکی کے گر جان جاتا ہے۔ موقع ملتے ہی سیمی، امتل اور عابدہ سے جسمانی تعلقات استوار کرتا ہے۔

ناول کا ایک دوہرا کردار عابدہ ہے جو اپنے شوہر کی برائیاں کرتے نہیں تھکتی لیکن اس کے ساتھ کو ترجیح دیتی ہے۔ وہ شریف اور اپنے شوہر کی وفادار ہے۔ شوہر سے گلے شکوے اور اولاد نہ ہونے کے باوجود اس کا ہی گھر بسانا چاہتی ہے لیکن قیوم سے جسمانی تعلقات بناتی ہے۔ اس طرح وہ بھی تضاد کا شکار ہے۔

بانو قدسیہ نے ایک طوائف امتل کا کردار پیش کیا ہے۔ امتل بھی ناول کے باقی کرداروں کی طرح تضاد کا شکار ہے۔ طوائف پیشے سے منسلک ہے اپنے دور کی مشہور طوائف ہے لیکن اس پیشے سے مطمئن نہیں اور اس سے نکلنا چاہتی ہے۔ اس لیے جب بھی اس کے پاس کوئی گاہک آتا اس سے محبت کرنے لگتی اور اس کے ساتھ روایتی زندگی گزارنے کا خواب دیکھتی جو کہ طوائف پیشہ کے خلاف ہے۔ اس طرح وہ بھی دوہری زندگی گزار رہی تھی۔ ''امتل'' حرام کام کرتی ہے اور حلال موت کی خواہش مند ہے۔ قیوم جب اس سے شادی کی خواہش ظاہر کرتا ہے تو یہ کہہ کر انکار کر دیتی ہے کہ میں نے ساری زندگی حرام کھایا ہے میرے جسم کا ایک ایک حصہ اور میرے خون کا ایک ایک قطرہ حرام سے بنا ہے اس جسم سے حلال اولاد نہیں پیدا ہو سکتی۔ اس کے ساتھ ہی دربار پر دعائیں مانگتی پھرتی ہے کہ اسے حلال موت آئے اور بالآخر اپنے بیٹے کے ہاتھوں قتل ہو کر موت کے انجام کو پہنچتی ہے۔ امتل کے الفاظ:

''یہ جسم اور دل بڑے بیری ہیں ایک دوسرے کے سرجی۔ جسم روندا جائے تو یہ دل کو بسنے نہیں دیتا۔ دل چلنا بند رہے تو یہ جسم کو مکمل تباہ کر دیتا ہے۔'' (۴)

راجہ گدھ کا ایک مرکزی کردار پروفیسر سہیل کا ہے جو کہانی کا رُخ بدلنے میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ بظاہر وہ پیغمبرانہ منصب پر فائز ہے لیکن وہ اس کا ناجائز استعمال کرتا ہے۔ ایک کامیاب پروفیسر ہونے کے ساتھ طلبہ کے نجی معاملات میں مداخلت کرتا ہے اور دو چاہنے والوں کو جدا کر دیتا ہے اور ان کی زندگیوں کو ناکام بنا دیتا ہے۔ اس طرح وہ عبرت ناک انجام تک پہنچتے ہیں۔ غلام محی الدین اس بارے میں یوں رقم طراز ہیں:

''اس ناول کی کہانی پاکستان کی سرزمین سے اُبھرتی ہے جہاں آزادی اور تقسیم وطن کے بعد نوجوانوں کی نئی نسل سامنے آئی، جو مختلف ذہنی، جذباتی اور نفسیاتی الجھنوں اور پیچیدگیوں کے ساتھ روحانی اضطراب کی کیفیات سے دوچار ہے۔'' (۵)

راجہ گدھ میں قدیم وجدید کا جو تضاد دکھایا گیا ہے۔ وہ محبت کی دو کہانیوں سے باآسانی واضح ہو جاتا ہے۔ سیمی اور آفتاب کی محبت وقتی دکھائی گئی ہے۔ قیوم اور سیمی بھی جسمانی ضرورت پوری ہونے کے بعد اجنبی ہو جاتے ہیں۔ اس کے برعکس قیوم کا بوڑھا باپ اس زمانہ جدید میں بھی اپنی پرانی محبت سینے سے لگائے ہوئے ہے۔ وہ اس وقت گزارا تھا۔ وقت کے بدلتے تقاضوں کے ساتھ جب اس کا بیٹا اسے اپنے ساتھ شہر منتقل کرنے کا سوچتا ہے تو وہ انکار کر دیتا ہے۔ اس کا مؤقف ہے کہ وہ ان در و دیوار میں تنہائی محسوس نہیں کرتا بلکہ ماضی کے ان شب و روز کو یاد کر کے سکون محسوس کرتا ہے جب وہ اپنی مرحومہ بیوی کے ساتھ یہاں رہتا تھا۔ اس سے دو نسلوں کی سوچ کا تضاد واضح ہوتا ہے کہ پرانے لوگ مستقل مزاج، مخلص اور میدان محبت میں ثابت قدم تھے اور زندگی میں کامیاب اور مطمئن تھے جب کہ نسلِ نو آزادی کی آڑ میں تضادات میں بٹ گئی اور محرومی اور ناکامی کے انجام تک پہنچی ہے۔ ناول نگار نے حالات اور وقت بدلنے کے ساتھ انسانی قدروں کو پامال ہوتے دکھایا ہے۔ ڈاکٹر نواز کنول راجہ گدھ کے بارے میں رقم طراز ہیں:

''راجہ گدھ ایک ایسے دور میں سامنے آتا ہے جب ہمارے معاشرے میں ذات کی شکست وریخت، اخلاقی زوال اور بے سمتی کا نمایاں احساس پایا جاتا ہے یہ احساس اس دور میں اس بات کی علامت ہے کہ ہمیں اس امر کا ادراک ہو چکا ہے کہ ہماری اقدار اندر سے گل سڑ چکی ہیں۔'' (۶)

بانو قدسیہ نے پرندوں میں سے گدھ کا انتخاب کر کے اسے حرام خور انسان کے مسائل قرار دیا ہے۔ ناول میں گدھ پر دیوانگی اور حرام خوری کا الزام لگا کر اسے جنگل بدر کر دیا جاتا ہے۔ جنگل میں رہنے والوں کی کانفرنس بلائی جاتی ہے جس میں بحث و تمحیص کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ گدھ نے حرام خوری انسان سے اس وقت سیکھی جب جنگل میں رہنے والے بوڑھے نے خودکشی کی گدھ اس کو بچانے کے لیے آیا اور اس کی گردن میں اس کی چونچ پیوست ہو گئی۔ انسانی خون گدھ کے اندر داخل ہوا تو اس کی سرشت بدلی جس طرح گندم کے استعمال سے انسان کے ساتھ بدی (شیطان) منسلک ہو گئی۔ اس دن سے گدھ پر دیوانگی کے وار ہونے لگے اور وہ موت سے خوفزدہ ہونے لگا اور مردار کھانے لگے اور اس کے مخالف ہما کو لا کھڑا کیا ہے۔ گدھ اور ہما کو علامت کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ گدھ ناجائز اور حرام کام کرنے والے انسانوں کے لیے اور ہما شریف لوگوں کے لیے ناول نگار کا موقف ہے کہ گدھ کی طرح حرام کام کرنے والے دیوانگی اور ہما کی شرافت اور عظمت اسے اس منصب پر لے جاتی ہے کہ وہ جس انسان کے سر سے گزر جاتے وہ بادشاہت کے عہدے پر فائز ہو جاتا ہے۔ یہاں مصنفہ نے ہما کو کسی بھی انسان کو بادشاہت سے سرفراز کرنے سے انکار کرتے دکھایا ہے۔ دراصل یہ معاشرے کی تباہی اور زوال کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اس تباہی اور زوال کا انتخاب انسان نے خود کیا ہے اپنے منصب سے گر کر اور اپنی پہچان کو بھول کر بانو قدسیہ نے انسانی تہذیب پر انگلی اُٹھائی ہے کہ انسانی فطرت اسے ایسے کاموں پر مجبور کرتی ہے کہ وہ حیوانیت کے درجے سے بھی گر جاتا ہے اور جب انسانی اپنے نفس پر قابو نہیں پاتا تو گمراہی اور جہالت کی انتہا کو پہنچ جاتا ہے اور ایسے کام کرتا ہے جو اسے تباہی کے دہانے تک لے جاتے ہیں۔ اس ضمن میں مصنفہ سے مغربی ترقی اور سائنسی ایجادات و کامیابیوں پر سوالیہ نشان چھوڑا ہے۔ مغربی کلچر پر مشرقی کلچر کو ترجیح دی ہے۔ در حقیقت وہ مشرقی کلچر کا احیا چاہتی ہیں۔

بانو قدسیہ نے انسان کے سائنسی عروج اور اخلاقی زوال کو بھی متضاد پہلوؤں کے طور پر بیان کیا ہے کہ انسان نت نئی ایجادات سے اپنے لیے مسائل میں اضافہ کر رہا ہے۔ وہ ایجادات جو اس کے لیے آسانی کا باعث ہیں اسے مٹا دینے کے لیے کافی ہیں۔ اس کے ساتھ یہ کہ انسان کا سارا جھکاؤ ترقی کی جانب ہے جس کے برعکس وہ اخلاقی پستی کا شکار ہوتا جا رہا ہے۔ محبت، خلوص، ایمان داری اور رواداری جیسی صفات اس کے اندر ناپید ہوتی جا رہی ہیں۔ اس لیے وہ دوہری شخصیت میں بٹ جاتا ہے۔ بظاہر اچھا دکھائی دینے کی کوشش میں اندرونی طور پر گھناؤنے جرائم میں ملوث ہو جاتا ہے۔

ناول نگار نے جسم اور روح کے تضاد کو بھی کہانی میں جا بجا بیان کیا ہے۔ ناول کے کردار جسمانی تقاضوں کو پورا کرنے کے بعد روحانی سکون کے متلاشی ہیں۔ سیمی، امتل، قیوم کی سب حرام کاموں میں خلوت ہیں اور کرب میں مبتلا ہیں۔ اور روحانی سکون کے لیے بزرگانِ دین کے درباروں پر گڑگڑا کر دعائیں مانگتے ہیں کہ انہیں سکونِ قلب نصیب ہو اور وہ حلال موت مریں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انسان مادی حقیقت کے ساتھ روحانی حقیقت بھی ہے اور مادی آلائشوں کو روحانیت سے پاک کرتا ہے۔ بانو قدسیہ انسانی تضاد کے

بارے میں یوں رقم طراز ہیں:

"آقا! انسان نہ رزق حرام کی وجہ سے دیوانہ ہوا ہے نہ اس طاقت کی وجہ سے جس کا ذکر نجد کی مینانے کیا تھا۔ بلکہ تضاد کے ہاتھوں دیوانہ ہوا ہے۔۔۔ دن کے ساتھ رات ہے۔۔۔ زندگی کے ساتھ موت۔۔۔ شمال کے مخالف جنوب۔۔۔ لیکن بیچارے انسان کے اندر ہر وقت نیکی بدی کی جنگ ہوتی رہتی ہے۔" (۷)

راجہ گدھ کا ایک تضاد زندگی اور موت ہے۔ جنگل میں رہنے والا جوگی ابدیت کے خواب دیکھتا ہے۔ ہمیشہ رہنے کا خواہش مند اور اچانک ایک دن درخت سے لٹک کر خودکشی کر لیتا ہے۔ اسی طرح امتل اور سیمی بھی خودکشی سے موت کے انجام تک پہنچتی ہیں۔ قیوم کو سائیں جی مردہ لوگوں سے ملاقات کا جھانسا دیتا ہے۔ جس دن قیوم کی سیمی سے ملاقات کا سائیں جی نے وعدہ کیا ہوتا ہے وہ خود بھی موت سے نہیں بچ پاتا۔ جس قبر میں بیٹھ کر وہ عمل کیا کرتا ہے وہ اچانک دھنس جاتی ہے۔

راجہ گدھ کی کہانی تین حصوں میں منقسم ہے۔ عشق لاحاصل، رزقِ حرام اور موت کی آگاہی۔ ناول نگار کا مؤقف ہے کہ عشق لاحاصل کا نتیجہ دیوانگی ہے اور دیوانگی کا انجام موت۔ ناول کے بیشتر کردار اس کی مثال ہیں۔

بانو قدسیہ نے دیوانگی کی بھی دو متضاد صورتیں بتائی ہیں۔ مثبت صورت میں یہ انسان کو اوجِ کمال تک لے جاتی ہے۔ یہ روحانیت کا اعلیٰ درجہ ہے اور منفی صورت میں یہی دیوانگی موت کے دہانے تک پہنچا دیتی ہے۔ دیوانگی اور فرزانگی کے یہ عناصر ناول کے تمام کرداروں میں موجود ہیں۔

"دیوانگی دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک دیوانہ پن وہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے حواس مختل ہو جاتے ہیں اور انسان کائنات کی ارذل ترین مخلوق بن جاتا ہے۔۔۔ اور ایک دیوانگی وہ بھی ہے جو انسان کو ارفع اور اعلیٰ بلندیوں کی طرف کھینچتی ہے حتیٰ کہ عرفان کی آخری منزلیں طے کرتا ہے۔" (۸)

قانونِ قدرت ہے کہ ہر چیز ہمیشہ ایک جیسی نہیں رہتی یہی کائنات کا حسن ہے۔ انسانی سرشت میں بھی شامل ہے کہ اس میں تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں اسی کا نتیجہ عروج و زوال کی داستان ہے۔ بانو قدسیہ نے راجہ گدھ میں انہی تضادات کو عمدہ انداز میں بیان کیا ہے۔ ناول کے کردار بیک وقت اچھائی، برائی، کامیابی، ناکامی، عقل مندی اور پاگل پن کا سرچشمہ ہیں۔

بانو قدسیہ حرام و حلال کا فلسفہ مذکورہ بالا تضادات کی روشنی میں پیش کرنے میں کامیاب رہی ہیں اس طرح یہ مذہبی تصور تمام سائنسی ترجیحات کا توڑ ثابت ہوا۔

حوالہ جات

۱۔ بانو قدسیہ، راجہ گدھ، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ص ۳۶۶

۲۔ ایضاً، ص ۴۹۔۵۰

۳۔ ایضاً، ص ۵۹۔۶۰

۴۔ ایضاً، ص ۳۶۳

۵۔ غلام محی الدین، ڈاکٹر، ہندو پاک کی خواتین ناول نگار، نئی دہلی: شاہد پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء، ص ۱۲۸

۶۔ محمد نواز کنول، ڈاکٹر، اُردو ناول میں مذہبی عناصر اور بانو قدسیہ، فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۸ء، ص ۵۹

۷۔ بانو قدسیہ، راجہ گدھ، ص ۳۷۴

۸۔ ایضاً، ص